

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اس مرتبہ ہم ایک آیت اور چار حدیثوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حکومت و قیادت کا شعبہ چونکہ دوسرے تمام دائروں پر اثر انداز ہوتا ہے، اس وجہ سے اسلام نے اہل ایمان و تقویٰ کو اس معاملے میں بڑی واضح ہدایات بھی دی ہیں اور کوتاہ کاری کی صورت میں سخت وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ ان چیزوں کو وقتاً فوقتاً مطالعہ میں لانا چاہیے۔ اور ان میں تدبیر کرنا چاہیے۔

سورہ حج کی آیت ۴۱ (الَّذِينَ مَكَتَاهُمْ فِي الْأَرْضِ... الخ) اولین مقام رکھتی ہے مدعا یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام اور اسلام کے احکام و قوانین کا نفاذ ان خوش اصناف لوگوں کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ جنہیں اگر خدا تعالیٰ زمین میں قوت و اقتدار دے تو وہ نمازوں کو قائم کرائیں اور زکوٰۃ کا ادارہ قائم کر کے نادار اور حاجت مند اور مصیبت زدہ آبادی کو سہارا دیں۔ اور انہیں اُدپرہ اٹھائیں۔ جو معروف یعنی جانی بچانی نیکوں کے لیے حکم جاری کریں اور برائیوں کے انسداد کا انتظام کریں۔ اس آیت سے پہلے کے حصے کے ساتھ ربط سے کہ اسے پڑھا جائے تو یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ یہ عبادی کام ہر وہ لوگ کر سکتے ہیں جو دعوتِ حق کو پھیلانے اور توحید کی علمبرداری کرنے کی وجہ سے گھروں اور وطن تک کی قربانیاں دے سکتے ہوں، جو لمبے دور ابتلاء کو صبر سے بھگت سکتے ہوں اور جو وقت آنے پر اسلام کی سر بلندی کے لیے مزاحم و مانع قوتوں کے خلاف میدانِ جنگ میں اپنا لہو پیش کر سکتے ہوں۔ یعنی جن کی زندگیوں کا برسوں سے نصب العین ہی یہ رہا ہو کہ وہ اللہ کے دین اور اس کے قانون کو غالب کریں گے اور جب بھی قوت و اختیار ملے گا، اسے اسی مقصد کے لیے استعمال کریں گے۔

یعنی غلبہٴ اسلام اور نفاذِ شریعت کا عمل حکومت و قیادت سے بہت پہلے شروع ہوتا ہے، اور

اسی عمل مسلسل کے نتیجے میں ایک دن نیکی کا راج قائم ہوتا ہے جو بڑی ہی کی قوت کو اکٹھا کرتا ہے۔ اس عمل سے متبروں اور کارپردازوں اور کارکنوں کی ایک منظم و مربوط ٹیم وجود میں آتی ہے، نیز اس کی وجہ سے اس ٹیم کے ہر فرد کا ذہن بنتا ہے اور کردار تشکیل پاتا ہے۔

بغیر اس عمل مسلسل کے محض کسی اچھے جذبہ کے فرد یا چند افراد کا میدان میں آکر یکا یک یہ چاہنا کہ قامتِ دین کا فریضہ انجام پا جائے، قرآنی شعور کے تحت قابل تصور نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ متفرق اور ادھورے نیک کام بھی ہو جائیں، مگر دوسری طرف خرابیوں کا ایسا طوفان بھی اٹھ سکتا ہے کہ متفرق نیک کاموں کے جزیرے بھی زیر آب آجائیں۔

معروف کے نفاذ اور منکر کے انسداد کے لیے محض چند احکام اور چند سفارشوں اور اپیلوں سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ اس بھاری کام کے لیے جامع منصوبہ بنا کر بڑی ندرت سے لیا گیا ہے اور اس میں جہاں محبت سے تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہتا ہے، وہیں دوسری طرف بعض مواقع پر سختی بھی کرنا پڑتی ہے۔ تعلیم و تہدید میں اگر توازن نہ ہو تو زیادہ تہدید کے فقدان کی صورت میں احکام بے وقعت ہو جائیں گے، اور یا ضرورت سے زیادہ تہدید کی انداز کی وجہ سے وہ عوام کے لیے بارگراں بن جائیں گے۔ ایک اصولی چیز اقامتِ صلوٰۃ ہی کو سمجھیے جو ذہنی اور اخلاقی تعمیر کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس کا حکم تو دے دیا جائے مگر تنقید کا پورا اہتمام نہ ہو، اداروں اور دفاتروں کے کارپردازوں کو اس کا ذمہ دار نہ بنایا جائے اور ناکارہ ثابت ہونے والوں پر گرفت نہ کی جائے، زندگی کے کسی دائرے میں پابندیِ صوم و صلوٰۃ ہونے کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو تو حکمِ صلوٰۃ مذاق بن جائے گا۔ پھر اگر بیک وقت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ فحش رقاصی یا رشوت و حیا کا دورہ دورہ بھی رہے اور ان چیزوں کے انسداد کے لیے کوئی تدبیر نہ کی جاسکے تو یہ تضاد ایک اہم نیک اقدام کو خراب کر دے گا۔ اسی طرح اگر کارپردازوں کی صف میں خلاف ورزیاں کرنے والے موجود ہوں تو کوئی بھی نیک سعی و تدبیر رائیگاں جاسکتی ہے۔

مدعا یہ کہ نفاذِ اسلام یا اقامتِ صلوٰۃ و ایٹائے زکوٰۃ یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے پوری بصیرت کے ساتھ منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت بڑی لہزا دینے والی ہے۔ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ ”اے اللہ! جس شخص کو میری امت کی کسی بھی درجہ میں سرداری (قیادت) دی جائے اور پھر وہ امت کو تکلیف یا تنگی میں مبتلا کرے تو تو بھی اسے تنگی میں مبتلا کر۔“ اسی کا دوسرا پہلو بھی روایت میں ہے کہ جو امیر امت سے شفقت کا بتاؤ کرے تو مجھے اس کے ساتھ شفقت کا بتاؤ کر۔

تنگی اور تکلیف میں ڈالنے سے مراد یہی نہیں کہ اُن کو بلا جواز شرعی تلوار کا چارہ بنایا جائے اور لاشیوں سے ٹوم دیا جائے یا جیلوں میں ڈال دیا جائے، یہاں ایک لفظ مشقت میں وہ ساری تکلیفیت وہ صورتیں آگئی ہیں، جو حاکم رعیت کے لیے پیدا کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ انہیں ایسے معاشی حالات میں ڈال دیتا ہے کہ سکھ چین سے روزی حاصل نہیں کر سکتے، اُن پر کارپردازان حکومت اور دفاتر حکومت کی مسرفانہ تنخواہوں اور سامانوں کا بار ڈال دیتا ہے۔ ٹیکسوں کے ذریعے قیمتوں کے بوجھ کو ناقابل برداشت بنا دیتا ہے، ان پر قومی قرضوں کا کمر توڑ پشٹا رہا دیتا ہے اور اس میں مسلسل اضافے کرتا ہے۔ اُن کی فریادوں کے راستے میں رکاوٹیں حاصل کر دیتا ہے، اُن کو فریاد اور تنقید و اختلاف اور مظاہرے کے حق سے محروم کر دیتا ہے، اُن کی زبانوں اور قلموں کو جائز قانونی تحدیدات کے علاوہ دوسری پابندیوں سے جکڑ دیتا ہے تو یہ ساری چیزیں امت پر سختی کے ذیل میں آتی ہیں۔ معاشرے کی فضا میں اگر اس کی پالیسیوں کی گھٹن پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر طرف خوف مستط ہو جاتا ہے۔ جو اہم کا طوفان اٹھنے لگتا ہے، عورتیں اور بچے اغوا ہونے لگتے ہیں۔ جاتوں، مالوں اور عورتوں کو خطرات گھیر لیتے ہیں اور نظام احتساب و انصاف لوگوں کو تحفظ فراہم کر کے نہیں دیتا، اگر ملت اسلامیہ کی قدریں بیرونی علوم اور ثقافت کے گھیرے میں آکر برباد ہونے لگتی ہیں، قوم کے بنیادی عقائد بیرونی نظریات کے حملوں سے خطرے میں پڑ جاتے ہیں، اور ہر شخص کے حقوق کا راستہ اگر رشوت و خیانت کے عنقریب روک لیتے ہیں تو یہ ساری صورتیں ایسی ہیں کہ لوگ دکھ اور مشقت اور تنگی اور پریشانی سے دوچار ہوتے ہیں۔

چاہے یہ ناخوشگوار احوال براہ راست کسی فرد یا افراد کی قیادت نے خود پیدا کیے ہوں، چاہے اُن کے معتمد علیہا اور کارکن پیدا کریں اور ان کا کوئی نوٹس نہ لیا جائے، ان سب کی ذمہ داری اللہ عزوجل کے آخری صاحب اقتدار تک پہنچے گی۔

پس جب بھی کوئی مسلمان برسرِ اقتدار آئے یا قیادت کی مجھاگ ڈور تھماے، خدا کے رسولؐ کی اس وعید کو سامنے رکھے۔ جس کی رُو سے عوام کی ہر مشقت و تنگی کی ذمہ داری اُس کے سر آئے گی۔

ایک اہم اور جامع روایت اور ملاحظہ ہو۔

حضرت عرف بن مالکؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر یہ ارشاد آگے پہنچا یا کہ ”تمہارے امراء و قائدین میں سے بہترین وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں، تم ان کے لیے دعائے رحمت کرتے ہو، وہ تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ اور بدترین امراء و قائدین وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرتے ہو، وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، تم ان پر لعن طعن کرتے ہو، وہ تم پر لعن طعن کرتے ہیں۔“

گننا صاف اور واضح معیار ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی غیر اسلامی معاشرے میں بھی دیکھا جائے تو یہ اصول یکساں کار فرما لے گا کہ جب تک حکومت اور عوام کے درمیان محبت و اعتماد کا تعلق قائم رہتا تو نظام وقت مستحکم ہوتا ہے، اور جب حکومت اور عوام کے درمیان نفرت کا دور شروع ہوتا ہے تو نظام میں کمزوری آجاتی ہے۔ پہلی صورت میں دونوں طرف سے اچھی باتیں کہی جاتی ہیں، دوسری صورت میں فریقین باہم دگر بدگوئی کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص کسی معاشرے میں اگر امارت و قیادت کے لیے بدگوئی کا چیلن دیکھے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ تخت میں تزلزل آ رہا ہے۔

حکومت کرنے کا مستحق وہی شخص ہے جسے قوم سے محبت ہو اور اس پر اعتماد ہو اور جو اب میں یہی چیزیں اس کے لیے قوم کے اندر پائی جائیں۔ بخلاف اس کے اگر کوئی شخص اپنی رعیت کی بڑائیاں کرتا ہے، عوام کے مختلف معتد علیہ شرفا کو ناپسند کرتا ہے، وہ اگر قوم کی طرف سے ہمیشہ غلط اور ناروا امکانات کا ایشیہ رکھتا ہے اور دوسری طرف لازمی طور پر قوم بھی اس کے متعلق ایسا ہی محسوس کرے تو پھر حقیقی حواجز حکومت ختم ہو جاتا ہے۔

دنیا کے اکثر حکمران فضا میں غلغل آ جانے کے بعد اول تو اپنے آپ کو خود ہی مغالطے میں رکھتے ہیں۔ اگر کوئی غیر خواہ اُن کو صلاح و فلاح کی راہ بتاتا ہے تو اُسے مخالف یا نادان خیال کرتے ہیں۔ پھر اُن کے

قریبی حوالی موالی جو آن کو گھیرے میں لیے رہتے ہیں، انہیں یقین دلاتے رہتے ہیں کہ کرسی مضبوط ہے، چند سر پھروں یا اعمقوں کی فضول حرکات سے اندیشہ کی کوئی بات نہیں۔ انہیں باسانی دبا یا کچلا جاسکتا ہے۔ پھر دبانے کچلنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ حکومت جتنی کمزور ہوتی ہے اتنا ہی بھر کرتی ہے اور جتنا بھر کرتی ہے اتنی ہی زیادہ کمزور ہو جاتی ہے۔ اس پیکر کے پورا ہونے پر سب کچھ یکایک تہ و بالا ہو جاتا ہے۔

دنیا کی تاریخ میں ایسے صد ہا درس عبرت موجود ہیں۔ خود پاکستان میں قریب کی دو تین گذشتہ حکومتوں کا تجربہ بڑا تلخ رہا۔ مگر ہر صاحب اقتدار اسی مغالطے میں رہا کہ اسے ہلایا نہیں جاسکتا۔ پھر جب وقت آیا تو بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔

دانا لوگوں کو تاریخ حال کی دیوار پر لکھے جانے والے انتباہات کو بخور پڑھنے رہنا چاہیے۔ اگر حالات میں بگاڑ آئے تو ہر ممکن تدبیر کرنی چاہیے کہ قوم سے محبت و اعتماد کا رشتہ جلد سے جلد بحال ہو جائے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو تو پھر حکمت و بصیرت پر ہے کہ تبدیلی کا راستہ ایسی خوبصورتی سے کھول دینا چاہیے کہ نئی قوت امن سے ایوان اقتدار میں داخل ہو اور جسے باہر جانا ہے وہ بھی کسی مصیبت میں پڑے بغیر ہنٹا مسکراتا روانہ ہو جائے۔

حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اور قوم کے درمیان محبت و نفرت اور اعتماد اور بے اعتمادی اور اتفاق اور بے اتفاقی کے پیمانے پر ہر وقت نظر رکھے جیسے ڈاکٹر اپنے مریض کا ٹرمپچر دن میں کسی کسی بار لیتا ہے اور پارے کی حرکت کے سامنے دو واڈوں میں تبدیلیاں کرتا ہے۔

قائد اور قوم کے درمیان محبت و نفرت کا ذکر چنانچہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ ایسے لوگ تو بہت ہی نادان ہوتے ہیں جن سے کوئی بھی طبقہ خوش نہ رہے اور جن کی غیر خواہی کسی بھی علت میں باقی نہ رہے۔ محضوڑی سی حکمت و بصیرت ہو تو سیاسی کارپرداز اپنے اپنے معاشروں میں بعض متضاد و متضادم عناصر میں سے اس عنصر کو مخصوصی اہمیت دیتے ہیں جو ان کے نظریات اور نقشہ کار میں ان سے ہم آہنگ ہو، خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں تو اس بات کا لحاظ رکھنا شدید لازم ہے کہ جو قومیں نفاذ اسلام

کے لیے میدانِ عمل میں ہوں، انہیں مخالف اسلام یا سیکولر قوتوں سے الگ پہچانا جائے۔ کم سے کم امن کے ساتھ اعتماد کا رشتہ مضبوط ہونا چاہیے، اُن کی مدد سے حالات کو سمجھنا چاہیے، اُن کی نشاندہی غلطیوں سے خاص عوامی مسائل اور اُن کے متعلق مناسب تدبیروں کو اختیار کیا جائے۔ اُن کے مخالف عناصر کو سرکاری ادارات، پولیس، ذرائع ابلاغ، تعلیم، محکمہ داخلہ، نظامت خارجہ، مالیات اور دفاع میں زور نہ کھڑنے دیا جائے کہ وہ مناصب و اختیارات کی آڑ میں حالات کو بھی آہستہ آہستہ خراب کرتے چلے جائیں اور صاحبِ قیادت کے ذہن میں بھی غلطیوں کے جانے ناسننے رہیں۔

حالات، اگر پیشکل اختیار کر جائیں تو بگاڑ کی پرورش کرنے والے تو اپنا کام کرتے رہتے ہیں، مگر صلاح و فلاح کے واسطے بس اِدبے اڑتے جلتے ہیں۔ اول الذکر تو پہلے ہی سے مخالف تھے اور اپنی مخالفت کو خوشامد کے خول میں چھپا کر کام کر رہے تھے، مؤثر الذکر کو ٹی موثر کام عوام میں کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ نتیجہ یہ کہ تخریبی عناصر نفرت و بے اعتمادی کا روگ ساری قوم میں پھیلا کر بحران کا سر و سامان مکمل کر لیتے ہیں۔

حضرت ابو بعلیٰ معقل ابن یسار کی روایت میں بڑا خوفناک انتباہ ہے کہ جس شخص کو کسی رعیت پر اقتدار دیا گیا، اُسے اگر موت اس سال میں آئی کہ وہ اپنی رعیت کے حق میں خیانت کا رویہ اختیار کیے ہوئے تھا، وَهُوَ عَاشٌ لِّرَعِيَّتِهِ، تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت حرام کر دی۔

صاحبِ اقتدار کی طرف سے ایک خیانت تو مال کی خیانت ہو سکتی ہے، دوسری یہ کہ وہ اپنے اختیار کو اپنے یا اپنے اقربا کے منافع کے لیے اور ذاتی مفالین سے انتقام کے لیے استعمال کرے۔ خیانت یہ بھی ہے کہ اپنی رعیت کے مناصب کو ایسے لوگوں کے حوالے کرے جنہیں رعیت ایمانی اور تہذیبی لحاظ سے اپنے لیے نذرِ رساں سمجھتی ہو۔ خیانت یہ بھی ہے کہ قوانین اور پالیسیوں کا ظاہری پیرا پر تو ایسا ہو کہ لوگوں کو حسبِ مراد کچھ چیزیں دکھائی دیں، مگر اُن کے باطن میں غلط چیزیں لپیٹ لپاٹ کے رکھ دی گئی ہوں، یا اُن کا عملی نفاذ بڑے اثرات پیدا کرنے کا موجب ہو۔ اسی طرح آمد و صرفِ اموال اور ٹیکسوں کو پیش کرنے کا طریقہ بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ بظاہر قوم کو بڑی آمدنی کی توقعات دلائی جائیں۔

مگر درحقیقت وہ ہندسوں کی جادوگری ہو، یا ان کے سامنے بعض مصارف کو اہم بنا کر پیش کیا جائے۔ مگر درحقیقت وہ یا تو مسرفانہ ہوں یا کچھ مضر مقاصد کو پورا کرنے والے ہوں۔ جب قوم کے سامنے دفاعی یا معاشی حالات یا خارجہ پالیسی کی ایسی تصویر دکھنا جو محض دلخوش کن ہو، یہ بھی خلاف دیانت ہے۔ بعض امور میں رازداری رکھنا یا لوگوں کی حوصلہ شکنی سے پرہیز کرنا اور چیرہ ہے۔ ایسے ادارے بنانا جن سے عوام میں خاص طرح کی امیدیں پیدا ہوں مگر ان کی حقیقت محض نمائشی (ORNAMENTAL) ہو یا لوگوں کی پسند کے موضوعات پر ایسی کانفرنسیں جو محض ایک مشغلہ ہوں، یا قوم میں اچھی اچھی امیدیں پیدا کر کے پھر ان کو پورا نہ کرنا، یہ سب کچھ درحقیقت عنادِ سیاسی خیانت کی تعریف میں ہے۔

خیانت کے ان رویوں کا نتیجہ آخرت میں بالکل ہی تباہ کن ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر باسبِ اقتدار کی قوم سے خیانت اگر اللہ کو اُس درجہ ناپسند ہے تو دنیا میں بھی اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکل سکتا۔

میراجی چاہتا ہے کہ کسی ملک میں کوئی خدا پرست اور رسولِ آخر زمان کا پیرو ایسی کوئی روش اختیار نہ کرے جو روایت مندرجہ بالا کی فرد میں آئے۔

ایسی روش اختیار کرنے کی نوبت آنے سے پہلے ترکِ اقتدار بہت مبارک ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مجلس کے بعد اس ارشادِ رسول کو بیان کیا کہ ”ہم کسی ایسے شخص کو اس کام (یعنی حکومت پر مقرر نہیں کرتے جو اس کا خواہش مند ہو یا اس کے لیے حرص رکھتا ہو“

حکومت کی خواہش و حرص رکھنے والے شخص سے یہ اندیشہ تو نمایاں طور پر ہوتا ہے کہ وہ کسی عہدے پر آکر اپنے لیے یا اپنے لیے کسی لیے حصولِ مفاد کی کوشش کرے گا۔ اپنے ذاتی مخالفین کے خلاف اقتدار کی قوت استعمال کرے گا، لاکھوں انسانوں کی جانوں، مالوں اور عزتوں کی رکھوالی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا۔

دوسرا اندیشہ یہ ہے کہ خواہش و حرصِ اقتدار جس شخص میں کارفرما ہوگی وہ اپنی مسند کے ساتھ بیٹھ کر رہ جائے گا۔ اگر ساری قوم کے اعتماد سے بھی وہ محروم ہو جائے تو اسے چھوٹنے (باقی بر صفحہ ۱۲۸)